قِیلَ مَا سِیمَاهُمْ قَالَ سِیمَاهُمُ التَّحْلِیقُ أَوْ قَالَ التَّسْبِیدُ﴾

ترجمہ | حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے اور قرآن پڑھیں گے جوان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یہ لوگ دین سے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے (چھیدتا ہوا) نکل جاتا ہے پھر یہ لوگ دین میں واپس نہیں آئیں گے یہاں تک کہ تیر اپنے چلہ پر پھر لوٹ آئے (ظاہر ہے کہ یہ محال ہے تو خوارج کا دین میں پھر آنا بھی محال ہے) پوچھا گیا کہ ان کی علامت کیا ہوگی؟

(قال الحافظ ابن حجرؒ والسائل لم اقف علی تعیینه (قس)

آنحضور ﷺ نے فرمایا ان کی علامت سر منڈانا ہے۔

تحلیق اور تسبید شک راوی ہے معنی ایک ہیں۔

مطابقة للترجمة | مطابقة الحدیث للترجمة توخذ من قوله "یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیهم"

تعدد موضعہ | والحدیث هنا ص:۱۱۲۸، ومرالحدیث ص:۴۷۱، ص:۵۰۹ تا ص:۵۱۰، ص:۶۲۳، ص:۶۷۳، ص:۷۵۶، ص:۹۱۰، ص:۱۰۲۴۔

اشکال: بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جو لوگ سر منڈاتے ہیں وہ سب خارجی ہیں حالانکہ بالاتفاق ایسا حکم نہیں ہے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ سلف عام طور پر اپنا سر صرف حج اور عمرہ کے وقت منڈاتے تھے، بخلاف خارجیوں کے کہ ان کی عادت مستمرہ سر منڈانے کی تھی اس وجہ سے سر منڈانا خارجیوں کی علامت قرار دیدی گئی تھی۔

خوارج باتفاق اہل سنت والجماعت فرق ضالہ میں سے ہیں ان کا مفصل بیان گذر چکا ہے۔

۳۹۲۱ ﴿بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ﴾

وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِی آدَمَ وَقَوْلَهُمْ یُوزَنُ وقال مُجَاهِدٌ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّومِیَّةِ وَیُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ وَأَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور ہم قیامت کے دن میزان عدل (انصاف کی ترازو) قائم کریں گے

اور بلاشبہ بنی آدم کے اعمال اور ان کے اقوال وزن کئے جائیں گے۔

تشریح | یہ باب بخاری شریف کی آخری کتاب کتاب التوحید کے اٹھاون ابواب میں سے آخری باب ہے اور یہی بخاری شریف کا آخری باب ہے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف کو کتاب الایمان سے شروع کیا ہے اور ایمان ہی پر ختم کیا ہے، پہلی کتاب کتاب الایمان ہے اور آخری کتاب کتاب التوحید ہے جس پر ایمان کی اولین بنیاد ہے، امام بخاریؒ نے

اپنی کتاب کا آخری باب کتاب التوحید کو رکھا اس لیے کہ توحید مدار نجات ہے جس کا خاتمہ توحید حقیقی پر ہوگا وہ نجات پائے گا ورنہ سزا کا مستحق ہوگا اس لیے امام بخاری نے آخری کتاب کتاب التوحید رکھی۔

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں: ولما فرغ المؤلف رحمة الله عليه من باب الوحي الذى هو كالمقدمة لهٰذا الكتاب الجامع شرع ذكر المقاصد الدينية وبدأ منها بالإيمان الخ (ارشاد السارى)

یعنی علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مؤلف کتاب حضرت امام بخاریؒ باب الوحی سے فارغ ہوئے جو اس کتاب جامع کے مقدمہ کے درجہ میں ہے تو اب مقاصد دینیہ کا بیان شروع فرما رہے ہیں اور اصحاب جوامع یعنی جو محدثین کرامؒ اپنی کتاب کے اندر انواع ثمانیہ کو ذکر کرتے ہیں ان حضرات کا طریقہ ہے کہ اپنی کتاب کو کتاب الایمان سے ابتدا کرتے ہیں چونکہ مکلف پر سب سے پہلے ایمان ہی فرض ہے سارے اعمال وعبادات کا دارومدار ایمان پر ہے ایمان کے بغیر کوئی عمل وعبادت عنداللہ مقبول نہیں حیات جاودانی ونجات اخروی ایمان ہی پر موقوف ہے ایمان وعقیدہ بنیاد ہے اور اعمال اس کی شاخیں ہیں ایمان بمنزلہ روح کے ہے اور اعمال اس کا بدن، ایمان حقیقت ہے اور اسلام اس کی صورت، اس لیے مقدمہ سے فراغت کے بعد کتاب الایمان سے شروع فرمایا۔

اور کتاب الایمان کے بعد اعمال وعبادات کا تعلق اور جوڑ اس طرح سمجھئے حدیث شریف میں ہے: الدنيا مزرعة الآخرة یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ مطلب صاف ہے کہ آخرت کے سامان وتوشہ فراہم کرنے کی جگہ دنیا ہے۔

کھیتی کا طریقہ یہ ہے کہ تخم وبیج پہلے کھیت میں ڈالتے ہیں اس کے بعد اس سے غفلت نہیں برتتے ہیں بلکہ اس کی آبیاری ونگرانی کی جاتی ہے پھر اس کے مضرات کو دفع کیا جاتا ہے اس میں ایک طرف اس کے بڑھنے، پھلنے پھولنے کے لیے کھاد وپانی ڈالتے ہیں تو دوسری طرف اس کے گھاس وکانٹے کانٹے ودفع کیے جاتے ہیں اور ہر نقصان دہ چیزوں پر پوری پوری نظر رکھی جاتی ہے مثلاً جانوروں اور چوروں سے حفاظت کی جاتی ہے۔

اسی طرح ایمان کا بیج قلب میں ڈالنے کے بعد اس کی بڑھوتری وزیادتی کے لیے اعمال صالحہ وعبادات کے ذریعہ اس کو پروان چڑھانا پڑتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کو کامل کرنے کے لیے مامورات پر عمل اور منہیات سے پرہیز ضروری ہے اس لیے کتاب الایمان کے بعد اعمال وعبادات کا ذکر فرمایا گیا ہے، اب بظاہر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد امام بخاریؒ کتاب الصلوٰۃ بیان فرماتے اس لیے کہ ایمان لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ بندے نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت لازم کر لی اور تمام عبادتوں میں اہم العبادات نماز ہی ہے لیکن چونکہ نماز کی صحت وفساد کے لیے کچھ اصول واحکام ہیں کہ جن کے بغیر نماز نہیں ہوگی اس لیے امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کا ذکر فرمایا اور اس کے ماتحت ایک ایسی آیت درج کی جس میں ایمان کے بعد علم ہی کا ذکر ہے ارشاد ربانی ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ

دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (سورہ مجادلہ:۱۱)

یعنی تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

اب کتاب العلم کے بعد کتاب الصلوٰۃ کو بیان کرنا چاہئے تھا کیونکہ نماز اہم العبادات ہے اور عام ہے اس کے مکلف امیر وغریب، آزاد وغلام، بیمار وتندرست اور مقیم ومسافر سب ہی ہیں نیز اس کی ادائیگی بھی دیگر عبادات مثلاً روزہ اور حج وغیرہ سب سے زیادہ ہے کہ ہر روز پانچ مرتبہ فرض ہے۔

قرآن مجید اور حدیث پاک میں ایمان کے بعد متصلاً نماز کا حکم مذکور ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰة (الآیہ سورہ بقرہ:۳)

اور ارشاد نبوی ہے: بُنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله إلا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة الحدیث (بخاری ج:۱،ص:۶، مسلم، ج:۱،ص:۳۲)

اس لیے کتاب العلم کے بعد کتاب الصلوٰۃ کو بیان کرنا چاہئے تھا لیکن چونکہ نماز کے لیے طہارت شرط ہے اور شرط مقدم ہوتی ہے مشروط پر اس لیے سارے محدثین عظام وفقہاء کرام کتاب الصلوٰۃ سے قبل کتاب الطہارۃ ذکر فرماتے ہیں، اس ترتیب سے امام بخاریؒ کی دقت نظر اور حسن ترتیب کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ فجزاء الله خیر الجزاء.

"وقال مجاهد" الخ: اور امام التفسیرؒ نے فرمایا کہ قسطاس بمعنی عدل ہے رومی زبان میں یعنی اہل روم کی زبان میں لفظ قسطاس بمعنی انصاف ہے۔

اشکال: اشکال یہ ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے: إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا الآیہ (سورہ یوسف:۲)

یعنی ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا۔ لیکن امام مجاہدؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں کچھ الفاظ دخیل بھی ہیں؟ یعنی وہ حقیقت میں دوسری زبان کے ہیں مگر قرآن مجید نے اس کو استعمال کیا ہے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پورے قرآن مجید کے اندر دو چار الفاظ غیر عربی سے کوئی فرق نہیں آتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ درحقیقت توارد ہے علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں فلاینافیه الفاظ نادرة او هو من توافق اللغتین (قس).

مطلب یہ ہے کہ رومی زبان اور عربی زبان کا اتفاق ہو گیا ہے۔

تشریح امام بخاریؒ نے وزن اعمال کے حق ہونے پر آیت کریمہ نضع الموازین القسط لیوم القیامة سے استدلال فرمایا تھا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ جس طرح حافظ حدیث ہیں اسی طرح حافظ قرآن بھی ہیں تو چونکہ ترجمۃ الباب کے اندر سورہ انبیاء کی آیت کریمہ نضع الموازین القسط کے اندر لفظ قسط آیا تھا تو اس مناسبت

سے اپنی عادت کے مطابق قرآن حکیم کے اس مادہ سے جو صیغہ بھی آیا ہے اس کی تحقیق پیش فرمارہے ہیں چنانچہ سورہ شعراء کی آیت: ۱۸۲، سورہ بنی اسرائیل کی آیت: ۳۵، میں وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (سیدھی ترازو سے وزن کرو، تولو) اس کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ قسطاس کے معنی ترازو کے ہیں اور اس میں رومی اور عربی کا اتفاق ہو گیا یعنی من توافق اللغتین یا توافق الوضعین۔

موازین: میزان کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ترازو، میزان اصل میں موزان تھا واؤ کو ماقبل کسرہ کی وجہ سے یار سے بدل دیا، آیت کریمہ میں میزان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس لیے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وزن اعمال کے لیے بہت سی میزانیں استعمال کی جائیں گی اور جمع کا صیغہ حقیقت پر محمول ہوگا اور اس کی دو صورتیں ہیں ہر شخص کے لیے یا ہر عمل کے لیے ایک ایک ترازو ہوگی، مطلب یہ ہے کہ وزن اعمال کے لیے بہت سی میزانیں (ترازوئیں) استعمال کی جائیں گی مثلاً فرائض کے لیے الگ اور نوافل کے لیے الگ، بدنی عبادت کے لیے الگ اور مالی عبادت کے لیے الگ، جس طرح دنیا میں مختلف ترازوئیں ہیں کوئلہ وزن کرنے (تولنے) کے لیے الگ، چاول اور سبزی تولنے کے لیے الگ سونا چاندی تولنے کے لیے الگ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح روزِ قیامت میں میزان متعدد ہو سکتی ہے۔

مگر اکثر مفسرین وجمہور محدثین کی رائے یہ ہے کہ میزان ایک ہی ہوگی، والذی علیه الا اکثرون انه میزان واحد عبر عنه بلفظ الجمع للتفخیم الخ (قس) اب رہا یہ سوال کہ پھر جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟ تو اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں:

۱۔ یہاں موازین میزان کی جمع نہیں ہے بلکہ موزون کی جمع ہے موزون اس چیز کو کہتے ہیں جس کو تولا جائے، اور مراد اعمال موزونہ ہیں جیسا کہ سورہ رحمٰن کی آیت کریمہ: واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان کی تفسیر میں علامہ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں: ای لا تنقصوا الموزون.

۲۔ جمع تفخیم وتعظیم کے لیے ہے یعنی وہ میزان بہت بڑی اور عظیم ہے جیسا کہ ابوالقاسم لالکائی نے حضرت سلمان سے نقل کیا ہے کہ میزان عدل کے دو پلڑے ہوں گے کہ ایک پلڑے میں آسمان وزمین سما سکتے ہیں۔

تفسیر مظہری نے حضرت سلمان فارسی ؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز جو میزان وزن اعمال کے لیے رکھی جائے گی وہ اتنی بڑی اور وسیع ہوگی کہ اس میں آسمان اور زمین تولنا چاہیں تو وہ بھی اس میں سما جائیں۔

اور تفخیماً جمع کا استعمال قرآن حکیم میں موجود ہے جیسے: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ الْمُرْسَلِيْنَ (سورہ شعراء: ۱۰۵) قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

حالانکہ اس قوم میں صرف ایک رسول حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا پیغمبر نہیں آیا۔

۳۔ جمع باعتبار اشخاص وافراد بنی آدم نیز تعدد اعمال کے لحاظ سے ہے کیونکہ ساری مخلوقات حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جن کی صحیح تعداد صرف حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ان سب کے اعمال کو یہی میزان (ترازو) تولے گی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: فامّا من ثقلت موازينه فهو في عيشةٍ رّاضيةٍ وَأمّا من خفت موازينه فامُّه هاويةٌ (قارعہ)

قسط: کے معنی عدل وانصاف کے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ میزان (ترازو) عدل وانصاف کے ساتھ وزن کرے گی ذرا کمی وبیشی نہ ہوگی اور یہ قسط یہاں موازین کی صفت ہے۔

اشکال: رہا یہ اشکال کہ قسط کا لفظ مفرد ہے اور موازین جمع ہے جمع کی صفت مفرد کس طرح درست ہوئی؟

جواب: قسط مصدر ہے واحد، تثنیہ اور جمع سب جائز ہے يقال ميزان قسط وميزانان قسط وموازين قسط (شرح ابن بطال)

۴۔ قسط مصدر ہے اور مضاف محذوف ہے ذات القسط ليوم القيامة اور ليوم القيامة میں لام تعلیلیہ ہے اور مضاف محذوف ہے ای لحساب یوم القيامة.

"وأن اعمال بني آدم وقولهم يُوزن": اور انسان کے سارے اعمال واقوال حساب کے لیے تولے جائیں گے، اگر بابُ کو مضاف پڑھیں تو أنَّ بفتح الهمزه ہوگا اور یہی اکثر واشہر ہے لیکن اگر بابٌ بالتنوين ہو تو إنَّ بكسر الهمزه ہوگا۔ "وقولهم" بعض نسخوں میں اقوالهم جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا معطوف علیہ جمع ہے۔

حافظ ابوالقاسم لالکائی نے اپنی سنن میں حضرت انس ﷛ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میزان پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور ہر انسان کو اس میزان کے سامنے لایا جائے گا اگر اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو فرشتہ منادی کرے گا جس کو تمام اہل محشر سنیں گے کہ فلاں شخص کامیاب ہوگیا اب کبھی اس کو محرومی نہیں ہوگی اور اگر نیکیوں کا پلہ ہلکا رہا تو یہ فرشتہ منادی کردے گا کہ فلاں شخص شقی اور محروم ہوگیا اب کامیاب و بامراد نہیں ہوگا جیسا کہ سورۂ مؤمنون کی آیت:۱۰۲، وآیت:۱۰۳ ہے "فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْن" سو جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے (یہ اہل ایمان کا گروہ ہوگا) اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا (جیسے کفار ومشرکین) تو ایسے ہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اور حضرت ابو القاسم لالکائی نے حضرت حذیفہ ﷛ سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ یہ فرشتہ جو میزان پر مقرر ہوگا حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں (قس) واخرج ابو القاسم اللالكائي في كتاب السنة عن حذيفة موقوفا ان

صاحب المیزان یوم القیامۃ جبریل علیہ السلام (فتح)

میزان عدل اور وزن اعمال کی کیفیت

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ اور ایمان ہے کہ میزان حق ہے انسان کے اعمال قیامت کے دن وزن کیے جائیں گے شرح عقائد نسفی میں ہے الوزن حق والمیزان عبارۃ عما یعرف بہ مقادیر الاعمال والعقل قاصر عن ادراک کیفیتہ (وزن اعمال حق ہے اور میزان (ترازو) وہ آلہ ہے جس سے اعمال کا وزن ومقدار معلوم ہوگا لیکن اس کی پوری کیفیت وصورت سے انسانی عقل عاجز ہے)۔

البتہ معتزلہ میزان کا انکار کرتا ہے مگر یہ قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ نیز اجماع امت کے خلاف ہے قرآن حکیم میں صاف ہے: وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۝ (الاعراف)

اور اس دن وزن (ہونا) برحق ہے پھر (وزن کے بعد) جس کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی لوگ کامیاب ہوں گے (یعنی نجات پائیں گے) اور جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے (جیسے کفار ومشرکین) سو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا بہ سبب اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے۔
(آیتوں کا حق اور انصاف یہ تھا کہ ان پر ایمان لاتے اور ان کو قبول کرتے مگر ان لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا)۔

نیز نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ القیامۃ (سورۂ انبیاء:۴۷)

معتزلہ کہتا ہے کہ اعمال اعراض ہیں جس کا وزن ممکن نہیں اور الفاظ قرآنی کے اندر تاویلات رکیکہ وتوجیہات باردہ کرتا ہے کہ میزان سے مراد عدل ہے چونکہ اعراض کا وزن محال ہے، حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اعمال کو جواہر مستقلہ کی صورت دے کر وزن کیا جائے گا۔

وقد روی بعض المتکلمین عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان اللہ تعالیٰ یقلب الاعراض اجساما فیزنہا او توزن صحفہا الخ (قس).

او توزن صحفہا حدیث البطاقۃ

معتزلہ کا یہ اعتراض کہ اعمال اعراض ہیں پھر ان کے تولے جانے کا کیا مطلب؟

اس کا جواب بعض علماء اہل سنت والجماعت نے یہ دیا ہے کہ صحیفے تولے جائیں گے علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں:
ویؤیدھذاحدیث البطاقۃالمروی فی الترمذی وقال حسن غریب وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم والبیہقی من حدیث عبدِ اللہ بنِ عَمرو بنِ العاصِ رضی اللہ عنہما انَّ رسولِ اللہ صلی اللہ

عليه وسلم قال اِنَّ اللّٰه يستخلِصُ رَجُلاً مِنْ اُمَّتِيْ علٰى رُؤُوسِ الخلائق يوم القيامة فينشرُ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ سِجِلاًّ كُلُّ سجلٍّ مثلَ مَدِّ البَصَرِ ثُمَّ يقول اَتُنْكِرُ مِنْ هذا شيئاً؟ أَظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ الحافظون؟ فيقول لايارب فيقول افلك عذر؟ فقال لا يارب فيقول اللّٰه تعالٰى بَلٰى اَنَّ لك عند نا حسنة فانه لا ظلم عليك فتخرج بطاقة فيها اشهد ان لااله الا اللّٰه واشهد ان محمدا عبدهٗ ورسوله فيقول احضر وزنك فيقول يارب ما هذه البطاقة مع هذه السجلات فيقول فانك لاتظلم فتوضع السجلات في كفة والبطاقة في كفة فطاشت السجلات وثقلت البطاقة فلا يثقل مع اسم اللّٰه شئ (قس،ص:۶۲۸،ج:۱۵)

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے سامنے میری امت میں سے ایک شخص کو ظاہر کریں گے اور ننانوے دفتر اس کے سامنے کھول دیں گے ہر دفتر منتہائے نظر تک پھیلا ہوا ہوگا پھر ارشاد ہوگا (یعنی اس شخص سے پوچھا جائے گا) کہ کیا ان اعمال ناموں کے مندرجات میں سے تم کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ کیا میرے محافظ فرشتوں نے تم پر ظلم کیا ہے؟ (کہ بغیر کئے کوئی گناہ لکھ دیا ہو یا کرنے سے زائد لکھ دیا ہو؟) وہ شخص کہے گا نہیں یارب (یعنی نہ انکار کی گنجائش ہے اور نہ ہی فرشتوں نے کوئی ظلم وزیادتی کی ہے) پھر ارشاد ہوگا کیا تمہارے پاس ان کا کوئی عذر ہے؟ (یعنی کیا ان بداعمالیوں کا تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟)

وہ شخص کہے گا لا یا رب (یارب کوئی عذر بھی نہیں ہے) اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے تمہاری ایک نیکی ہمارے پاس موجود ہے آج تم پر ظلم نہ ہوگا اور ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحمدًا عبدهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوگا، ارشاد ہوگا جاؤ اس کو تلوالو، وہ کہے گا اے رب اتنے دفتروں کے مقابلے میں یہ پرزہ کیا کام دے گا۔

پھر ان سب دفتروں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا ارشاد ہوگا تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا چنانچہ ان سب دفتروں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور وہ بطاقہ (پرچی) دوسرے پلڑے میں پھر دفاتر ہلکے ہوجائیں گے (یعنی دفتروں والا پلڑا ہلکا ہوجائے گا اور اڑنے لگے گا) اور بطاقہ (پرچی) بھاری ہوجائے گی پس (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوسکتی۔

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحیفے (اعمال نامے) تولے جائیں گے۔

معتزلہ کا اصل اشکال یہ تھا کہ اعمال اعراض ہیں جو قائم بالغیر ہیں اس لئے ان کا وزن محال ہے اس کا ایک جواب تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اعراض کو جواہر مستقلہ یعنی اجسام بنا کر وزن کیا جائے گا واللّٰه علٰى كل شئ قدير۔ اور دوسرا جواب حدیث بطاقہ سے ہے کہ اعمال نامے اعراض نہیں ہیں بلکہ اجسام ہیں اس لئے اس میں معتزلہ کا وہ عقلی اشکال بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

آج کل تو مختلف چیزوں کے وزن کرنے، تولنے کے لئے مختلف قسم کے آلات (ترازو) ایسے ایسے ایجاد ہو چکے ہیں کہ جن سے معتزلہ کی جہالت وبدعقلی صاف ظاہر ہے مثلاً تھرمامیٹر (بخار وزن کرنے کا آلہ) اسی طرح روشنی، ہوا، گرمی، اور سردی ساری چیزیں تولی جاتی ہیں اور ٹائر، ٹیوب میں ہوا وزن کر کے بھری جاتی ہے اسی طرح یہ عقل کے پیچھے دوڑنے والے سمجھتے اور کہتے تھے کہ اقوال کا وزن ناممکن ومحال ہے کیوں کہ بات جو نکلی ہوا میں گم ہو کر ختم ہو گئی اس کا وجود ہی ممکن نہیں تو وزن کس طرح ہوگا لیکن آج کی سائنس کی ترقی نے ان کی جہالت وبدعقلی ٹیپ ریکارڈ سے ظاہر کر دی کہ سال گذشتہ کی تقریر بعینہٖ سن لو۔

میزان عدل کا مقصد

یہ معلوم ہے اور ایمان ویقین ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے علیم وخبیر وسمیع وبصیر ہے پھر وزن اعمال کے لئے وضع میزان کیوں ہے؟ اور کیا مقصد؟

جواب: بلاشبہ وزن اعمال کے لئے بندوں کے اعمال اور فرشتوں کے لکھے ہوئے صحیفے تولنے کے لئے میزان عدل قائم فرمائیں گے اور یہ بالکل حق ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو کائنات عالم کے ذرہ ذرہ کی خبر ہے مگر وضع میزان ووضع اعمال کا مقصد اظہار عدل ومبالغہ فی الانصاف ہے چوں کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے تمام فیصلے ایسے عدالتی اصول اور مستحکم قواعد پر مبنی رکھا ہے کہ کسی کو شکایت کا موقع تو کیا کسی کو دم مارنے کی گنجائش بھی نہ ہو ہر شخص اور ہر فرد آفتاب عالمتاب کی طرح عادلانہ فیصلہ دیکھ لے اور سمجھ لے پیغمبروں کی شہادتیں، فرشتوں کی گواہیاں اور خود ہر شخص کے اعضاء کی گواہیاں، اعمال ناموں کا اندراج جو قیامت کے دن عاملین کے ہاتھوں میں دیدئے جائیں گے اور ہر شخص اپنے کچے چٹھے کو خود پڑھ لے گا حکم ہوگا اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (سورۂ بنی اسرائیل ۱۴) اپنا اعمال نامہ (خود) پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا حساب جانچنے کے لئے کافی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وزن اعمال اور حساب وکتاب سے مقصود مخلوق پر حجت قائم کرنا ہے کہ وہ خوب سمجھ لے کہ ہم پر ظلم نہیں ہوا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مِمَّا أَضْحَكُ قال قُلْنَا اَللّٰهُ أَعْلَمُ قال مِنْ مُخَاطَبَةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ يَقُوْلُ يا رَبِّ أَلَمْ تُجِرْنِي مِنَ الظُّلْمِ قال يقول بلى قال فيقول فإنِّي لا أُجِيْزُ على نَفْسِي إِلَّا شاهِدًا مِنِّي قَالَ فيقول كَفٰى بِنَفْسِكَ اليومَ عَلَيْكَ شَهِيْدًا وبِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ شُهُوْدًا قال فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ فيُقَالُ لِأَرْكَانِهِ اَنْطِقِي قال فَتَنْطِقُ بِأَعْمَالِهِ قال ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الكلامِ قال فيقول بُعْدًا لَكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ. (مسلم شریف ثانی ص:۴۰۹)

حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے اتنے میں آپ ﷺ ہنسے اور فرمایا

کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے ہنستا ہوں؟ حضرت انس ﷺ نے بیان کیا کہ ہم لوگوں نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم ارشاد فرمایا کہ میں ہنستا ہوں بندے کی گفتگو پر جو وہ اپنے پروردگار سے کرے گا چنانچہ بندہ کہے گا اے میرے مالک کیا آپ مجھ کو ظلم سے پناہ نہیں دے چکے ہیں؟ (یعنی آپ وعدہ کر چکے ہیں کہ میں کسی پر ظلم نہیں کروں گا وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا یعنی ہمارے یہاں ظلم نہیں جو کچھ فیصلہ ہوگا عین حکمت اور انصاف سے ہوگا) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جواب دیں گے ہاں (ہم ظلم نہیں کرتے) آنحضور ﷺ نے فرمایا پھر بندہ کہے گا کہ میں جائز نہیں رکھتا کسی کی گواہی اپنے اوپر سوائے اپنی ذات کی گواہی کے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ پروردگار فرمائے گا كفى بنفسك اليوم عليك شهيدا وبالكرام الكاتبين شهودا اچھا تیری ہی ذات کی گواہی تجھ پر آج کے دن کفایت کرتی ہے اور کرام کاتبین کی گواہی، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کے (بندہ کے) منھ پر مہر کر دی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں کو حکم دیا جائے گا کہ تم سب بولو، وہ اس کے سارے اعمال بول دیں گے پھر بندہ کو بات کرنے کی اجازت دی جائے گی، بندہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کہے گا دور ہو جا کمبخت دور ہو جا تم پر پھٹکار ہو میں تو تمہارے ہی لیے جھگڑا کرتا تھا (تمہاری مدافعت کرتا تھا کہ دوزخ سے بچ سکو لیکن تم خود ہی گناہوں کا اقرار کر چکے تو اب جاؤ دوزخ میں)۔

کن لوگوں کے اعمال کا وزن ہوگا؟

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں: ثم ان ظاهر قول البخاري: وان اعمال بني آدم وقولهم يوزن التعميم وليس كذلك بل خص منهم من يدخل الجنة بغير حساب الخ (قس). یعنی امام بخاریؒ کے قول ان اعمال بنی آدم الخ سے تو بظاہر تعمیم معلوم ہوتی ہے کہ سارے انسانوں کے اعمال واقوال تولے جائیں گے لیکن واقعۃً ایسا نہیں ہے بلکہ جو حضرات بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے ان کی تعداد ستر ہزار ہوگی ان کے اعمال بھی تولے نہیں جائیں گے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ولقد وعدني ربّي سبحانه ان يدخل الجنة من امتي سبعين الفا لا حساب عليهم ولا عذاب مع كل الف سبعون الفا وثلاث حثيات من حثيات ربي عز وجل (ابن ماجہ ج:۲، ص:۳۲۷)

معلوم ہوا کہ امت محمدیہ میں سے ستر ہزار ایسے حضرات ہوں گے جو بلا حساب وبلا عذاب داخل جنت ہوں گے اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جو لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے ان کے اعمال کے وزن کے لیے ترازو قائم نہ ہوگی جیسے جو کفار بلا حساب جہنم میں جائیں گے ان کے لیے ترازو قائم نہ ہوگی جیسا کہ آیت کریمہ ہے يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْأَقْدَامِ (الرحمٰن:۴۱) یعنی مجرموں کو پہچانا جاتا ہوگا ان کے چہروں سے پھر پکڑا جائے گا پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے (یعنی چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگوئی سے مجرم خود بخود پہچانے جائیں گے جیسے مؤمنوں کی شناخت سجدہ اور وضو کے آثار وانوار سے ہوگی)۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ظاهره التعميم لكن خص منه طائفتان فمن الكفار من لا ذنب له الا الكفر ولم يعمل حسنة فانه يقع في النار من غير حساب ولا ميزان.

ومن المؤمنين من لا سيئة له وله حسنات كثيرة زائدة على محض الايمان فهذا يدخل الجنة بغير حساب كما في قصة السبعين الفا ومن شاء الله ان يلحقه بهم وهم الذين يمرون على الصراط كالبرق الخاطف وكالريح وكاجاويد الخيل ومن عدا هذين من الكفار والمؤمنين يحاسبون وتعرض اعمالهم على الموازين الخ. (فتح الباری ج:۱۳، ص:۴۶۳)

خلاصہ یہ ہے کہ سب کے اعمال واقوال تولے نہیں جائیں گے بلکہ کچھ حضرات وہ ہوں گے جو بلا حساب وکتاب جنت میں جائیں گے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے ان النبي صلى الله عليه وسلم قال يدخل من امتي الجنة سبعون الفا بغير حساب فقال رجل يا رسول الله ادع الله تعالىٰ لي ان يجعلني منهم قال اللّٰهم اجعله منهم ثم قام آخر فقال يا رسول الله ادع الله لي ان يجعلني منهم قال سبقك بها عُكّاشَةُ (مسلم شریف جلد اول کتاب الایمان ص:۱۱۶)

۲۔ اور کچھ کفار ایسے ہوں گے جو بلا حساب اور بغیر وزن جہنم میں داخل ہوں گے اور یہ وہ کفار ہوں گے جنہوں نے کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔

بہرحال جمہور محدثین ومفسرین کا رجحان اسی طرف ہے کہ عین اعمال کو مجسم کردیا جائے گا اور مستقل صورت دے دی جائے گی پھر وزن کیا جائے گا جیسا کہ آیت کریمہ: وَوجد وا ما عملوا حاضرا الآیہ (سورۂ کہف:۴۹) سے تائید ہوتی ہے، آج کل تو مختلف چیزوں کے وزن تولنے کے لیے مختلف قسم کے آلات (ترازو) ایجاد ہوچکے ہیں جس سے معتزلہ کی جہالت آشکارا ہے مثلاً تھرمامیٹر بخار وزن کرنے کا آلہ وغیرہ۔

اعمال کا محاسبہ امام ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر بیٹھا اور بیان کیا: یارسول اللہ میرے دو غلام ہیں جو مجھے جھوٹا کہتے ہیں اور معاملات میں خیانت کرتے ہیں اور میرے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس کے مقابلے میں میں انہیں زبان سے بھی برا بھلا کہتا ہوں اور ہاتھ سے مارتا بھی ہوں، تو میرا اور ان غلاموں کا انصاف کس طرح ہوگا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان غلاموں کی نافرمانی اور خیانت وسرکشی کو تولا جائے گا پھر تمہارے سب وشتم اور مار پیٹ کو تولا جائے گا اگر تمہاری سزا اور ان کا جرم برابر ہوئے تو معاملہ برابر سرابر ہوجائے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے کم رہی تو وہ تمہارا احسان شمار ہوگا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے بڑھ گئی تو جتنی تم نے زیادتی کی ہے اس کا تم سے انتقام وقصاص لیا جائے گا یہ شخص یہاں سے اٹھ کر الگ بیٹھ گیا اور رونے لگا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے قرآن میں یہ

آیت نہیں پڑھی: "ونضع الموازين القسط ليوم القيامة" اس نے عرض کیا کہ اب تو میرے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ میں ان کو آزاد کر کے اس حساب کے غم سے بے فکر ہو جاؤں۔ (ترمذی شریف جلد ثانی ص:۱۴۵)

"ويقال القسط مصدر المقسط وهو العادل": اور کہا جاتا ہے کہ قسط مقسط کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں عادل کے۔

شارح بخاری علامہ عینیؒ نے اسماعیلی کا اعتراض نقل کیا ہے کہ مقسط ثلاثی مزید ہے جس کا مصدر اقساط ہے جس کے معنی عدل وانصاف کرنے کے آتے ہیں تو مقسط کا مصدر قسط کس طرح صحیح ہوگا؟

پھر خود ہی علامہ کرمانی شارح بخاری کا جواب نقل فرماتے ہیں کہ قسط مقسط کا مصدر محذوف الزوائد ہے، مقصد یہ ہے کہ قسط کے معنی اور مقسط کے مصدر اقساط کے معنی ایک ہیں گویا قسط بمعنی اقساط ہے جو مقسط کا مصدر ہے۔

(اس کو بلفظ دیگر یوں سمجھا جائے کہ القسط مصدر المقسط میں مصدر بمعنی مادہ لیا جائے مطلب یہ ہوگا کہ مقسط کا مادہ قسط ہے فلا اشکال) اور اس سے اشارہ کیا ہے آیت کریمہ ان الله يحب المقسطين کی طرف۔

"واما القاسط فهو الجائر": اور قاسط کے معنی ہیں جائر یعنی ظالم کے، اشارہ ہے آیت کریمہ: واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا (سورۂ جن)

اس آیت میں قاسط کے معنی بے انصاف (ظالم) کے ہیں، اسی وجہ سے ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ قسط مشترک ہے بین العدل والجور۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قسط اسمائے اضداد میں سے ہے کالبیع وغیرہ۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قسط بکسر القاف بمعنی عدل ہے کما فی القرآن وان حكمتَ فاحْكُمْ بينهم بالقِسط ان الله يحبّ المُقسطين (سورہ مائدہ:۴۲)

اور بفتح القاف بمعنی الجور والظلم اس صورت میں قاسط کا مصدر بفتح القاف ہوگا۔

۷۰۷۳ ﴿حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.﴾

ترجمہ: ہم سے احمد بن اشکاب نے بیان کیا کہا ہم سے محمد بن فضیل نے بیان کیا انہوں نے عمارہ بن قعقاع سے انہوں نے ابوزرعہ سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ ﷺ سے حضرت ابوہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دو

کلمے ایسے ہیں جو خدائے رحمٰن کو محبوب ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں) زبان پر دونوں کلمے ہلکے ہیں (یعنی پڑھنے میں ہلکے ہیں لیکن) میزان میں (قیامت کے دن) بھاری بھرکم ہوں گے (ایک) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ہے (اور دوسرا) سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہے۔

مطابقتہ للترجمۃ | مطابقة الحديث للترجمة توخذ من قوله ثقيلتان في الميزان.

تشریح | ترجمۃ الباب ہے: "نضع الموازين القسط ليوم القيامة" (یعنی قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے) تو حدیث پاک میں میزان کا ذکر تو صراحۃً اور وزن اعمال دلالۃً موجود ہے۔

تعدد موضعہ | والحديث هنا ص:۱۱۲۸ تا ص:۱۱۲۹، ومر الحديث ص:۹۴۸، وص:۹۸۸، مسلم شریف جلد ثانی ص:۳۴۴، ترمذی شریف جلد ثانی دعوات ص:۱۸۴ تا ص:۱۸۵، نسائی شریف عمل الیوم واللیلۃ، ابن ماجہ ثواب التسبیح۔

رجال حدیث | احمد بن إِشكاب، اشكاب بكسر الهمزة وفتحها وسكون الشين المعجمة وبعد الالف موحدة غير منصرف وقيل منصرف (قس)

یعنی إشکاب کا ہمزہ مکسور بھی پڑھا گیا ہے اور مفتوح بھی اشکاب علیت وعجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور بعض حضرات نے اس کو عربی مان کر منصرف پڑھا ہے کیونکہ اس صورت میں اس میں صرف ایک صورت علیت رہ جاتی ہے وهو لقب واسمه مجمع وكنية احمد ابو عبد الله وهو الصفار الحضرمي نزيل مصر (فتح) امام بخاریؒ کی ملاقات ان سے مصر میں ۲۱۷ھ میں ہوئی اور ان کی وفات ۲۱۷ھ یا ۲۱۸ھ میں ہوئی۔ واللہ اعلم مات سنة تسع عشر ومائتين یعنی ۲۱۹ھ (عمدہ)

۲۔ محمد بن فضيل: بضم الفاء وفتح الضاد المعجمة مصغرا ابن غزوان (بفتح المعجمة سكون الراء) ابو عبدالرحمن الكوفي صدوق اور متہم بالتشیع ہیں اپنے والد اور اسماعیل بن ابی خالد اور عمارہ بن القعقاع وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

محمد بن فضیل پر شیعیت کا الزام ہے اور بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور شیعیت کی تردید بھی منقول ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات کو اہل بیت سے خصوصی لگاؤ ہوتا اور اہل بیت سے عقیدت ومحبت کا زائد اظہار کرتے انہیں شیعیت کی طرف منسوب کر دیا جاتا حالانکہ وہ شیعہ نہیں ہوتے تھے، غور کرنے کا مقام ہے کہ سفیان ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ جیسے جلیل القدر محدثین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں امام بخاریؒ نے ان کی حدیث کو اپنی صحیح بخاری میں جگہ دی ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان کی عدالت وثقاہت ائمہ حدیث کے نزدیک مسلم ہے اور شیعیت کا الزام غلط ہے۔ واللہ اعلم

۳۔ عمارة بن القعقاع: عماره بضم العين المهملة وتخفيف الميم والهاء في آخره ابن القعقاع

بقافين مفتوحتين بينهما عين مهملة ساكنة ابن شُبْرُمَةَ بضم الشين الضبي الكوفي ثقة وقال ابن معين والنسائي ثقة وقال ابو حاتم صالح الحديث (تهذيب التهذيب ج:۷،ص:۲۲۴)

۴ ابوزرعة بن عمرو بن جرير بن عبدالله البجلي الكوفي قيل اسمه هَرِم بفتح الهاء و كسر الراء (قس) وقيل عبدالله وقيل عبدالرحمن وغيره (تهذيب التهذيب) قال الواقدي راى عليًاؓ الخ (تهذيب التهذيب)

ابوزرعہ کے نام میں اقوال مختلف ہیں یہ کنیت سے مشہور ہیں یہ اپنے دادا حضرت جریر بن عبداللہ البجلی، حضرت ابو ہریرہ ؓ اور حضرت امیر معاویہ ؓ سے احادیث روایت کیں باقی تفصیل کے لیے تہذیب التہذیب کا مطالعہ کیجئے۔

۵ حضرت ابو ہریرہ ؓ ۷ ھ میں مشرف باسلام ہوئے جلیل القدر صحابی اور احفظ الصحابہ تھے تمام صحابہ ؓ سے زیادہ احادیث ان سے منقول ہیں علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے ۵۳۷۴ پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث مروی ہیں (عمدہ ج:۸،ص:۳۴)

ابو ہریرہ کنیت ہے اور اسلام سے پہلے ان کا نام عبدالشمس تھا اسلام کے بعد عبدالرحمٰن (قیل عبد اللّٰہ) ابن صخر ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے کنیت خود ان سے منقول ہے کہ میں اپنے گھر کی بکریاں چراتا تھا اور میرے پاس بلی کا ایک بچہ تھا جسے میں اپنے ساتھ لے جاتا اور کھیلا کرتا اور جب رات ہوتی تو میں اسے درخت پر رکھ دیتا اس لیے گھر والوں نے میری کنیت ابو ہریرہ رکھ دی۔

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے دیکھا کہ ان کی آستین میں بلی کا بچہ ہے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "یا ابا هريرة" ابو ہریرہ محدثین کے نزدیک غیر منصرف ہے اس لیے کہ ابو ہریرہ پورا لفظ کلمہ واحد کے مانند ہے جیسے ابوحمزہ حضرت انس ؓ کی کنیت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے اٹھتر برس کی عمر پائی اور ۵۹ ھ میں انتقال فرما کر جنت البقیع میں آرام فرما ہیں رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

تشریح امام بخاریؒ نے یہ آخری حدیث اپنے شیخ احمد بن اشکاب سے روایت کی ہے جو صحیح بخاری شریف کی آخری کتاب کتاب التوحید کی ہے امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں کل اٹھاون ابواب قائم فرمائے ہیں اور ہر باب میں کسی نا کسی باطل فرقہ کی تردید کی ہے کسی میں معتزلہ کی اور کسی میں جہمیہ کی، بہر حال فرق باطلہ کی تردید ہے۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کی تخریج صحیح بخاری شریف میں تین جگہ کی ہے: کتاب الدعوات میں بخاری ص:۹۴۸، پر اپنے شیخ زہیر بن حربؒ سے، دوسری جگہ کتاب الایمان والنذور میں ص:۹۸۸، پر اپنے استاذ حضرت قتیبہ بن سعیدؒ سے، اور تیسری جگہ یہاں بخاری شریف کے آخری صفحہ ص:۱۱۲۸، پر ہے، جو امام بخاریؒ نے اپنے شیخ احمد بن اشکاب سے روایت کی۔

تینوں جگہوں پر امام بخاریؒ کے تین استاذ الگ الگ ہیں اور امام بخاریؒ کے مذکورہ تینوں شیوخ کے شیخ محمد بن فضیل ہیں بلکہ بخاریؒ کے مذکورہ تینوں شیوخ (زہیر بن حربؒ، قتیبہ بن سعیدؒ اور احمد بن اشکابؒ) کے اوپر کے روات ایک ہی ہیں محمد بن فضیل، عمارہ بن قعقاع اور ابوزرعہؒ۔

تشریح حدیث امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے آغاز و اختتام، ابتدار و انتہار میں عجیب دقت نظر و باریک بینی سے ترتیب قائم فرمائی ہے جو امام ہی کا حصہ ہے کہ صحیح بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث حضرت حمیدیؒ کی ہے اور یہ آخری حدیث احمد بن اشکابؒ کی ہے دونوں (حمیدی اور احمد) کا مادہ حمد ہے فالحمد اولاً و آخرًا۔

والحمد راس الشکر اور شکر کی اصل یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کی حمد کی جائے نیز پہلی حدیث: إنما الاعمال بالنیات الخ حضرت عمر فاروق ؓ کی ہے جو مہاجر تھے تو یہ آخری حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ کی ہے اور یہ بھی مہاجرین میں سے تھے اس سے غالباً امام بخاریؒ نے اس طرف لطیف اشارہ کیا ہے کہ ہم کو اور آپ کو اور ساری کائنات کو اس دار فانی سے ہجرت کرنی ہے اور عالم آخرت کی طرف جانا ہے۔

۲۔ پہلی حدیث سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ کی ہے جو صحابہ کرام ؓ میں سے افقہ الصحابہ تھے آپ ؓ کے تفقہ کا یہ حال تھا کہ آپ کی رائے کی موافقت متعدد مقاموں میں وحی الٰہی نے کی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں "وافقت ربّی فی ثلاثٍ" (بخاری اول ص:۵۸) یعنی میں نے اپنے رب کی تین باتوں میں موافقت کی علامہ کرمانیؒ شارح بخاریؒ فرماتے ہیں: والمعنی فی الاصل وافقنی ربی فانزل القرآن علی وفق ما رایت ولکنه اسند الموافقة لنفسه رعایة للادب کذا فی الکرمانی. (حاشیہ بخاری ص:۵۸)

وفی الخیر الجاری وذکر البعض موافقة فی احد وعشرین کمانقله السیوطیؒ فی تاریخ الخلفاء الخ (حاشیہ بخاری ج:۱ص:۵۸)

والمعنی فی الاصل الخ اصل بات تو یہ ہے کہ موافقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوئی لیکن موافقت کی نسبت ادبا حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنی طرف کی۔

اور آخری حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ کی ہے جو صحابہ کرام ؓ میں سے احفظ الصحابہ تھے کیونکہ احادیث مرویہ میں سب سے زیادہ روایت حضرت ابوہریرہ ؓ کی ہے۔

اس سے اشارہ ہے کہ حدیث شریف کے اندر دونوں چیزیں ضروری ہیں: (۱) نظر و فکر، (۲) حفظ وضبط۔

فائدہ: حدیث پاک کے اندر کلمتان موصوف اپنے تینوں صفات (حبیبتان الی الرحمن، ۲۔ خفیفتان علی اللسان، ۳۔ ثقیلتان فی المیزان) سے مل کر خبر مقدم اور سبحان اللہ وبحمدہ الخ مبتدا مؤخر ہے قاعدہ ہے کہ جملہ اسمیہ میں مقصود مبتدا ہوتا ہے تو جب خبر کو مقدم کر دیا گیا تو سامع کو مبتدا کا انتظار اور شوق متوجہ ہو گیا، پھر خبر کے

اوصاف جمیلہ بڑھا کر طویل کر دیا گیا اور صفات کے یکے بعد دیگرے کے ذکر سے سامع کا شوق وانتظار شدید تر ہو گیا کیونکہ اوصاف جمیلہ کی کثرت سامع کے شوق میں ترقی پیدا کرتی ہے پھر جب شدید انتظار وشوق کے بعد مبتدا، کا حصول ہوگا تو اوقع فی النفس ہو جائے گا اور یہ دونوں کلمے اپنی پوری عظمت کے ساتھ دل کی گہرائی میں سما جائیں گے۔

حدیث شریف کا مطلب تو بالکل واضح ہے کہ دو کلمے (سبحان اللّٰہ وبحمدہ اور سبحان اللّٰہ العظیم) ایسے ہیں جو خدائے رحمان کو محبوب ہیں، بہت ہی پسند ہیں۔

سوال: سبحان اللّٰہ وبحمدہ اور سبحان اللّٰہ العظیم تو دو کلام ہیں اس لیے کلامان فرمانا چاہیے تھا کلمتان کیوں فرمایا گیا؟

جواب: اس حدیث میں کلمہ سے مراد کلام ہے کلمہ کا اطلاق کلام پر ایسا ہی ہے جیسا کہ عام فہم محاورہ میں کلمہ توحید بولتے ہیں حالانکہ مراد پورا کلام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

۲۔ اسی طرح کلمہ شہادت بولتے ہیں حالانکہ مراد پورا کلام أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

۳۔ قرآن حکیم میں کلمۂ اسلام اور کلمۂ کفر کو کلمہ ہی سے تعبیر فرمایا گیا ہے حالانکہ مراد پورا کلام ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (سورہ ابراہیم: ۲۴)

کیا آپ نے نہیں دیکھا (کیا آپ کو معلوم نہیں) کہ اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ (کلمہ توحید) کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں۔ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ

اور گندہ کلمہ کی (یعنی کلمہ کفر وشرک کی) مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے اور اس کو (زمین میں) کچھ ثبات نہ ہو۔

ان آیات میں کلمۂ اسلام اور کلمہ کفر وشرک کو کلمہ ہی سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ وہ کلام ہیں۔

۴۔ بخاری شریف جلد اول ص: ۵۴۱، نیز مشکوٰۃ شریف جلد ثانی ص: ۴۰۹، میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ (بخاری ج: ۱، ص: ۵۴۱)

سب سے سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا ہو وہ لبید رضی اللہ عنہ کا کلمہ ہے الا كل شيء الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

اس میں کلمہ لبید سے مراد شعر ہو یا پورا قصیدہ ہو ہر دو صورت میں کلمہ سے مراد کلام ہے۔

حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت کے فصیح وبلیغ شاعروں میں سے تھے سنة الوفود میں خدمت اقدس میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک سو چالیس سال یا ایک سو ستاون برس کی عمر پا کر کوفہ میں انتقال فرمایا۔

قال الطيبي: وإنما كان اصدق لانه موافق لا صدق الكلام وهو قوله تعالٰى كل من عليها فان (سورہ رحمٰن) (شرح الطیبی ج:۹،ص:۹۸ مطبوعہ زکریا بک ڈپو دیوبند) حضور اقدس ﷺ نے حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے جس شعر کو پسند فرمایا تھا وہ یہ ہے

الا كل شيء ما خلا الله باطل

وكل نعيم لا محالة زائل

ترجمه: یاد رکھو اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے، اور دنیا کی ہر نعمت مٹنے والی ہے۔

۵ آیت کریمہ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کے اندر کلمہ سے مراد پورا کلام لا إلٰه إلّا اللّٰهُ محمّدٌ رسول الله ہے۔

نیز بخاری شریف ص:۲۰، پر ہے "انه كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلاثا"۔ میں بھی کلمہ سے مراد کلام وجملہ ہے۔

ان تمام نظائر سے معلوم ہوا کہ کلمہ کا اطلاق کلام پر ہوتا ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ کلام چونکہ کلمات ہی سے مرکب ہوتے ہیں اس لیے پورے پر بھی کلمہ کا اطلاق کردیا جاتا ہے البتہ نحویوں کی اصطلاح الگ ہے۔

"حبيبتان الى الرحمٰن": اى محبوبتان الى الرحمٰن اور مراد قائلین کلمتان سے مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کلموں کے کہنے والے اور پڑھنے والے خدائے رحمٰن کے نزدیک محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ سے محبت کرنے کا مطلب ایصال الخیر والتکریم ہوتا ہے (قس) یعنی خیر کثیر و بے پناہ افضال اور عزت و بزرگی عنایت فرماتے ہیں۔

تثنية جبيبة اى محبوبة بمعنى المفعول لا الفاعل وفعيل إذا كان بمعنى مفعول يستوى فيه المذكر والمؤنث اذا ذكر الموصوف نحو رجل قتيل وامرأة قتيل فإن لم يذكر الموصوف فرق بينهما نحو قتيل وقتيلة حينئذ فما وجه لحوق علامة التانيث هنا؟ اجيب بان التسوية جائزة لا واجبة الخ. (قس)

یعنی حبیبتان حبیبة کا تثنیہ ہے بمعنی محبوبة یعنی یہاں بمعنی مفعول ہے نہ کہ بمعنی فاعل (اگرچہ فعیل بھی بمعنی فاعل بھی آتا ہے لیکن اکثر مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے)۔

چنانچہ یہاں بھی حبیبتان بمعنی محبوبتان ہے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فعیل اکثر بمعنی مفعول ہوتا ہے خاص کر جب کہ اس کا موصوف اس کے ساتھ مذکور ہو تو اس صورت میں مذکر ومؤنث دونوں برابر ہوتے ہیں جیسے رجل قتيل وامرأة قتيل، لیکن اگر موصوف مذکور نہ

ہوتو تذکیروتانیث میں فرق کیا جائے گا جیسے قتیل وقتیلة.

لہٰذا جب ایسا ہے تو یہاں حبیبتان میں تا ر تانیث کیوں لاحق کی گئی؟

جواب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں مذکرومؤنث کے درمیان تسویہ جائز ہے واجب نہیں او وجوبها فی المفرد لا فی المثنیٰ (کرمانی)

۲۔ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ خفیفتان اور ثقیلتان کی مناسبت کے لیے تالائی گئی اوران دونوں میں تا اس لیے لائی گئی کہ وہ دونوں بمعنی فاعلة ہیں نہ کہ بمعنی مفعولة.

ارشادفرمایا گیا کلمتان حبیبتان دونوں کلمے کے پڑھنے رحمان کومحبوب ہیں تو سامع کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی اور سوچنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ بہت محنت ومشقت کے دونوں کلمے ہوں گے بقاعدہ اجورکم علی نصبکم مزدوری بقدرمشقت ہوتی ہے،تو فرمایا گیا حبیبتان الی الرحمٰن اسمائے حسنیٰ میں سے رحمٰن کی تخصیص سے لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے ایسا مہربان ہے کہ تھوڑے سے عمل پر اجر جزیل وثواب کثیر عطا فرماتا ہے کیونکہ ان دونوں کلموں کی بڑی عظیم فضیلت ہے جیسا کہ کتاب الدعوات ص: ۹۴۸، میں حدیث گذرچکی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قال سبحان اللّٰہ وبحمدہ فی یوم مائة مرة حطت خطایاہ وان کانت مثل زبد البحر.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جوشخص ایک دن میں سو بار سبحان اللّٰہ وبحمدہ کہے اس کے سارے گناہ (من حقوق اللہ) معاف کردیے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

"خفیفان علی اللسان" دونوں کلمے زبان پر ہلکے ہیں۔

اس سے اس وہم وخلجان کو دفع کردیا جو اجورکم علی نصبکم سے محنت ومشقت کا وہم وخلجان پیدا ہوا تھا اور بتلادیا کہ یہ دونوں کلمے زبان پر ہلکے پھلکے ہیں،نہایت سہل اور بہت آسان ہیں یہ سن کر خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید اجر بھی ہلکا ہوگا کہ جیسا کام ویسا دام تو اس خیال کا ازالہ فرمایا۔

"ثقیلتان فی المیزان" میزان عدل میں دونوں کلمے بھاری ہوں گے،یعنی قیامت کے روز ان کا اجروثواب بہت بھاری ہوگا۔

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں: والمقصود من ذکر الخفة والثقل بیان قلة العمل وکثرة الثواب (الکواکب الدراری) ایضاً (فتح الباری)۔

یعنی خفت کے ذکر سے اشارہ قلت عمل کی طرف ہے اور ثقل سے کثرت ثواب کا بیان مقصود ہے۔

خفت کی وجہ: علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں: لانه لیس فیهما من حروف الشدة المعروفة عند اهل

العربية وهي الخ (قس)

یعنی ان میں حروف شدت میں سے کوئی حرف نہیں ہے اور وہ آٹھ حروف ہیں:

ہمزہ، با، تا، جیم، د، ظ، ق، ک

ولا من حروف الاستعلاء ايضًا الخ (قس) یعنی حروف استعلاء میں سے بھی انہیں کوئی حرف نہیں اور حروف استعلاء سات ہیں: وهي الخاء المعجمة والصادِ والضاد والطاء والظاء والغين المعجمة والقاف جن کا مجموعہ خُصَّ ضغطٍ قِظ ہے۔

ثم ان الافعال اثقل من الاسماء وليس فيهما فعل وفي الاسماء ايضًا ما يستثقل كالذى لاينصرف وليس فيهما شيء من ذلك الخ.

یعنی افعال بنسبت اسماء ثقیل شمار ہوتے ہیں ان کلموں میں کوئی فعل بھی مذکور نہیں پھر اسماء میں بھی غیر منصرف بہ نسبت منصرف کے ثقیل شمار ہوتا ہے تو ان کلموں میں کوئی اسم غیر منصرف بھی نہیں۔

نیز وہ تینوں حروف لین جن کی ادائیگی آسان ہے (الف، واو، یاء) ان کلموں میں موجود ہیں (قس) علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں: والمقصود من ذكر الخفة والثقل بيان قلة العمل وكثرة الثواب. مطلب یہ ہے کہ کلمہ بہت مختصر ہے مگر اس پر ثواب بہت زیادہ ہے جیسا کہ فرمایا گیا سبحان الله نصف الميزان والحمد لله تملأه سبحان الله آدھا میزان ہے اور الحمد لله اسے بھر دیتا ہے اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ۱۔ نصف میزان سبحان الله سے بھرتی ہے اور نصف الحمد لله سے، اور ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الحمد لله تنہا میزان کو بھر دیتا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ میزان میں بھاری ہیں۔

"ثقيلتان في الميزان" میزان عدل میں دونوں کلمے بھاری بھر کم ہیں، یعنی ان کلموں کے قائلین وذاکرین کے اجر وثواب بہت بھاری ہوں گے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وقد سئل بعض السلف عن سبب ثقل الحسنة وخفة السيئة الخ (فتح)

بعض سلف سے یہ دریافت کیا گیا کہ میزان میں نیکی کے وزنی و بھاری ہونے اور بدی کے ہلکی ہونے کا سبب کیا ہے؟ جواب دیا نیکی کی کڑواہٹ (مشقت فی الدنیا) موجود ہے اور اس کی حلاوت (شیرینی ومیٹھاپن) غائب ہے (نہیں ہوتا ہے) اس لیے بھاری ہے (یعنی نیکی کرنے والے پر نیکی کا بوجھ محسوس ہوتا ہے) پس اس کا بھاری پن اس کے ترک کا باعث نہ بنے، اور بدی کی حلاوت ولذت موجود تلخی وکرواہٹ غائب، اسی وجہ سے بدی ہلکی ہوتی ہے، (اس کا کرنا آسان ہوتا ہے) سو اس کی آسانی اس بدی کے ارتکاب پر تجھ کو آمادہ نہ کرے۔

(لہٰذا دنیا میں نیکی کرنے پر تلخی وکڑواہٹ کا بھاری پن میزان عمل میں ظاہر ہوگا)

حافظ عسقلانیؒ نے تو یہ بعض سلف سے نقل کیا ہے لیکن علامہ قسطلانیؒ ارشاد الساری میں اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم

خلاصة البیان | خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷜ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دو کلموں (سبحان اللّٰہ وبحمده اور سبحان اللّٰہ العظیم) کی تین صفات بیان فرمائیں۔

۱۔ یہ دونوں کلمے حضرت رحمٰن کو محبوب ہیں کیونکہ یہ دونوں کلمات حق تعالیٰ کے انواعِ ذکر میں سے تنزیہ وتحمید وصفات جلال واکرام پر مشتمل وحاوی ہیں۔

۲۔ زبان پر ہلکے ہیں ان کی ادائیگی آسان وسہل ہے کوئی مشقت وتکلیف نہیں جیسا کہ مُسْتَشْزِرات اور تکاکأتم میں ہے پھر ان کے پڑھنے اور ادا کرنے کے لیے کسی وقت اور کسی حالت کی قید وشرط نہیں ہر حالت (طہارت وغیر طہارت) میں ان کو پڑھ سکتے ہیں کسی وقت کی قید وشرط نہیں ہر وقت (دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام) پڑھ سکتے ہیں۔

۳۔ میزانِ عدل میں بھاری بھرکم ہیں یعنی ان دونوں کلمات کا اجر وثواب اتنا ہے کہ نیکی کے پلڑے کو وزنی اور بوجھل کردیں گے جس کا نتیجہ اور انجام فلاح وکامیابی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فامّا من ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فهو فى عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ** (سورہ قارعہ) یعنی جس کے اعمال وزنی ہوں گے وہ اس روز خاطر خواہ عیش وآرام میں رہے گا چنانچہ فرشتہ اعلان کرے گا جس کو تمام اہل محشر سنیں گے کہ فلاں شخص کامیاب ہوگیا اب کبھی اس کو محرومی نہیں ہوگی۔

"کلمتان" اپنی صفات کے ساتھ خبر مقدم ہوئی اس کے بعد مبتدا مؤخر ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

لطیفہ: علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **وفى سنده من اللطائف القول فى موضعين والتحديث فى موضعين والعنعنة وهى فى البخارى محمولة على السّماع فهى مثل اخبرنا اذ العنعنة من غير المدلس محمولة على السماع كما تقرر فى المقدمة اول هذا الشرح (قس).**

وفى الحديث ايضًا الاعتناء بشان التسبيح اكثر من التحميد لكثرة المخالفين فيه وذٰلك من جهة تكريره بقول: سبحان اللّٰه وبحمده سبحان اللّٰه العظيم.

"**سبحان اللّٰہ**": سبحان مصدر ہے بمعنی تسبیح یعنی **سبحان اللّٰہ** کہنا، پاکی بیان کرنا، علامہ کرمانی فرماتے ہیں: **مصدر لازم النصب باضمار الفعل** (الکواکب)۔

یعنی مصدر لازم النصب ہے باضمار الفعل **اى اسبح سبحان اللّٰه يا سبّحت سبحان اللّٰه** مطلب یہ ہے کہ **سبحان اللّٰہ** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔

نیز مفرد کی طرف اس کو اضافت لازم ہے خواہ وہ مفرد اسم ظاہر ہو جیسے **سبحان اللّٰہ** اور **سبحان الذى اسرى**

(وہ ذات پاک ہے جو لے گیا) یا اسم ضمیر ہو جیسے سُبْحَانَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ (سورہ النساء:۱۷۱) (وہ پاک ہے اس سے کہ اس کے لیے اولاد ہو، یہ ولدیت کا عقیدہ عقلاً ونقلاً بالکل مہمل اور شان الوہیت کے بالکل منافی ہے)۔

اور سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا الآیہ (سورہ بقرہ:۳۲)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: قال الزمخشری سبحان علم للتسبیح کعثمان علم للرجل (عمدہ).

افادہ: علامہ قسطلانیؒ نے لفظ سبحان پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اگر مزید تفصیل مطلوب ہو تو قسطلانی کی ارشادالساری دیکھئے۔

"وبحمده": حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں: قیل الواو للحال الخ.

یعنی اس میں واؤ حال کے لیے ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: اسبح اللّٰه متلبسا بحمدی له من اجل توفیقه (فتح) میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں ایسی حالت میں کہ اس کی توفیق سے اس کی حمد بھی بیان کرتا ہوں، یعنی بیک وقت تسبیح اور حمد دونوں کو ایک ہی ساتھ بیان کرتا ہوں وقیل عاطفة والتقدیر اسبح اللّٰه واتلبس بحمده (فتح، قس) ای التعلق بحمده والحق بحمده، یعنی میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف کو بھی متعلق ولاحق کردیتا ہوں۔

وقال الخطابی فی حدیث سُبْحَانَكَ اللّٰهم رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ ای بِقُوتِكَ التی هی نعمةٌ توجِبُ عَلَيَّ حَمْدَكَ سُبْحَتُكَ لا بِحَولِي وَبِقُوَّتِي كانّه يُرِيد انَّ ذٰلِك مما اقيم به السبب مقام المسبب (فتح)

یعنی علامہ خطابیؒ نے سبحانك اللّٰهم ربنا وبحمدك والی حدیث میں بحمدك کا مطلب بقوتك بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کی اس قوت کی وجہ جو ایسی نعمت ہے کہ مجھ پر آپ کی حمد وشکر کو واجب کرتی ہے میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اپنی طاقت وقوت کے ذریعہ سے نہیں (بلکہ آپ ہی کی دی ہوئی نعمت توفیق سے) گویا کہ یہاں سبب کو مسبب کے قائم مقام کردیا۔

علامہ قسطلانیؒ نے بجائے بقوتك کے بمعونتك نقل کیا ہے (قس) مفہوم میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا۔

حمد کی تعریف حمد کی مختار ومشہور تعریف یہی ہے جو علامہ کرمانی فرماتے ہیں والمختار انه هو الثناء علی الجمیل الاختیاری علی وجه التعظیم یعنی اختیاری خوبی پر (زبان سے) تعریف کرنا تعظیم کے طور پر۔

وختم بقوله سبحان اللّٰه وبحمده سبحان اللّٰه العظيم ليجمع بين مقامي الرجاء والخوف اذ معنى الرحمٰن يرجع الى الانعام والاحسان ومعنى العظيم يرجع الى الخوف من هيبته تعالٰى.

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا إِلٰه الا انت استغفرك واتوب اليك.

● ● ●